© rasailojaraid.com

اسلام کا نظامِ وراثت

(۳)

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

۵۔ ذوی الارحام

باعتبارِ لغت "ذوی الارحام" کے معنی قریبی اور نسبی "رشتہ دار" کے ہیں، خواہ رشتہ کی نوعیت کچھ بھی ہو، اصطلاح میں اس سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو نہ "اصحابِ فروض" میں شامل ہوں اور نہ عصبہ میں۔ "اصحابِ فروض نسبی" اور عصبہ کی غیر موجودگی میں یہ وارث ہوتے ہیں، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى	اور رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے پر
بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ (الانفال: ۷۵)	زیادہ حق رکھتے ہیں اللہ کی کتاب کے مطابق

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریبی رشتہ دار میراث کے زیادہ حق دار ہیں۔ دوسروں کے مقابلے میں، کیونکہ لفظ "اولو الارحام" باعتبار لغت عام ہے اور ہر طرح کے قریبی رشتہ دار کو شامل ہے۔ خواہ وہ اصحابِ فروض ہوں یا عصبہ یا ان کے علاوہ دوسرے رشتہ دار، لہٰذا اس آیت کے عموم کا تقاضا ہے کہ اصحابِ فروض اور عصبہ کی غیر موجودگی میں "بیت المال" کے بجائے ایسے لوگوں کو وارث قرار دیا جائے جس سے میت کا قریبی تعلق ہے۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ	ماں، باپ اور قرابت دار جو کچھ چھوڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا	جائیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور
تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا	عورتوں کا بھی، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ ان
قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (النساء: ۷)	کے لیے ایک متعین حصہ ہے۔

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ قریبی رشتہ داروں اور والدین کے چھوڑے ہوئے مال میں مرد و عورت کا ایک حصہ ہے اور "ذوی الارحام" بالاتفاق قریبی رشتہ دار و میں شامل ہیں، لہٰذا وہ قرابت کی بنیاد پر وارث ہوں گے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

والخال وارث من لا	جس کا کوئی وارث نہ ہو، ماموں اس کا
وارث له يعقل عنه و	وارث قرار پائے گا اس کی طرف سے
يرثه [1]	خوں بہا ادا کرے گا اور اس کی وراثت
	میں سے حصہ پائے گا۔

اور جمہور صحابہ و تابعین کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے۔ حنفیہ و حنابلہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اس کے برخلاف بعض صحابہ کرام جیسے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے ہے کہ "اصحابِ فروض" اور عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں میت کے ترکہ کو "بیت المال" کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے لیکن بیت المال کا نظام مختل ہو جانے کی وجہ سے ان حضرات کے متبعین بھی "ذوی الارحام" کو وارث قرار دیتے ہیں۔ اس طرح سے اب یہ مسئلہ اتفاقی ہے اور اسی وجہ سے ان کے دلائل سے صرف نظر کیا جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ پہلا نقطۂ نظر قرآن و حدیث سے قریب تر اور عقلِ انسانی سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

جو لوگ "ذوی الارحام" کو وارث قرار دیتے ہیں ان کے درمیان طریقۂ وراثت اور اس کی کیفیت کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کسی تفریق کے بغیر ہر طرح

---

[1] رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وغیرہ وصححہ ابن حبان وحسنہ الترمذی وابوزرعۃ الرازی (نیل الاوطار ۶/ ۶۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قریبی رشتہ دار کو وارث قرار دیتے ہیں اور قریب اور دور اور مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ ہر ایک کو برابر دینے کے قائل ہیں۔ گویا کہ ان کے یہاں صرف میت سے رشتہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے، لیکن دلیل کے اعتبار سے یہ ایک کمزور رائے ہے، اس لیے ائمہ مجتہدین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ جس شخص کے واسطے سے ان کا رشتہ ہے انھیں اسی کے درجہ میں رکھا جائے، جیسے نواسا اور نواسی وغیرہ کو ان کی ماں کی جگہ پر رکھ کر بیٹی کے حصے کا حق دار قرار دیا جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ اسی کے قائل ہیں اور مالکیہ اور شوافع کے یہاں اسی کے مطابق عمل ہے۔ اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انھیں وارث قرار دینے میں رشتہ کی دوری اور نزدیکی کا لحاظ رکھا جائے گا اور سب سے پہلے اسی کو وارث قرار دیا جائے گا جو میت سے زیادہ قریب ہو اور اس کے ہوتے ہوئے اس کی بہ نسبت دور کے رشتہ دار محروم ہوں گے۔

پہلے نقطۂ نظر کے قائلین کو "اہل الرحم" دوسرے کو "اہل التنزیل" اور تیسرے کو "اہل القرابۃ" کہا جاتا ہے۔ اہلِ قرابت کے یہاں ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ لوگ جو میت کی طرف فروع اناث کے واسطے سے منسوب ہوں جیسے لڑکیوں کی اولاد (نواسا، نواسی) اور لڑکے کی لڑکیوں کی اولاد (پوتیوں کی اولاد خواہ مرد ہوں یا عورت)

۲۔ وہ لوگ جو میت کی طرف کسی اصولِ مؤنث کے واسطے سے منسوب ہوں۔ جیسے نانا، پرنانا وغیرہ اور نانا کی ماں۔

۳۔ وہ لوگ جو میت کے والدین کی فروعات میں سے ہوں، جیسے بہنوں کی اولاد خواہ وہ بہنیں حقیقی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک، اور بھائیوں کی لڑکیوں کی اولاد اور بھائیوں کے بیٹوں کی لڑکیاں۔

۴۔ وہ لوگ جو میت کے دادا یا نانا کے فروع میں سے ہوں جیسے پھوپھی، ماموں میت کا ماں شریک چچا، خالہ وغیرہ اور ان سب کی اولاد۔

اسی ترتیب سے وراثت کے حق دار بھی ہوں گے، یعنی دوسرے درجے کے لوگ اسی وقت مستحق ہوں گے جب کہ پہلے درجے کے لوگ یا ان کی اولادیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کوئی نہ ہو ۔ غرض یہ کہ پہلے اسی کو وارث قرار دیا جائے گا جو میت سے زیادہ قریب ہو اور اگر ایک درجے کے لوگ جمع ہو جائیں تو ان میں قوتِ قرابت کا بھی لحاظ رکھا جائے گا، جس طرح سے کہ "عصبات" میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ نیز مرد و عورت کے درمیان "عصبہ" کے طریقے پر ہی مال تقسیم کیا جائے گا۔[۱]

آسانی کے لیے ترتیب واران کے نام نقل کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ لڑکیوں کی اولاد اور ان کی نسل خواہ مرد ہوں یا عورت ۔ ۲۔ پوتیوں کی اولاد مرد ہو یا عورت اور ان کی نسل ۔ ۳۔ نانا، پرنانا وغیرہ ۔ ۴۔ نانا کی ماں۔ ۵۔ حقیقی، باپ شریک، ماں شریک بہنوں کی مذکر و مونث اولاد ۔ ۶۔ حقیقی، باپ شریک، ماں شریک بھائی کی لڑکیاں اور بھتیجوں کی لڑکیاں ۔ ۷۔ ماں شریک بھائی کے بیٹے اور ماں شریک بھتیجوں کی اولاد مرد اور عورت، ۸۔ حقیقی، باپ شریک، ماں شریک پھوپھیاں، ماموں، خالہ، ماں کے چچا ۔ ۹۔ ان سب کی اولاد اور ان کی نسل مرد اور عورت ۔ ۱۰۔ میت کے باپ کی حقیقی، باپ شریک، ماں شریک پھوپھیاں، میت کے باپ کے ماموں اور خالہ وغیرہ ۔ ۱۱۔ اور ان سب کی اولاد۔

۶۔ مولی الموالاۃ

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسبابِ وراثت میں سے ایک سبب "ولاء الموالاۃ" بھی ہے، جس سے متعلق کچھ باتیں سابق میں آچکی ہیں، یہ اس وقت وارث ہوتا ہے جب کہ "اصحابِ فروض نسبی" عصبہ اور ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو، اس کے وارث ہونے کی دلیل یہ قرآنی آیت ہے :-

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا	اور ہر ایسے مال کے لیے جسے والدین
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ	اور قرابت دار چھوڑ جائیں ہم نے وارث
وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ	مقرر کیے ہیں اور جن سے تم نے عہد کیا
فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ	ہے ان کا حصہ ادا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ
كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا (النساء: ۳۳)	ہر چیز سے باخبر ہے۔

[۱] دیکھیے المغنی ۹/۸۵، ۸۶ ردالمحتار ۱۰/۵۴۵ تا ۵۵۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حدیث میں ہے کہ

مولی القوم منهم وحليف القوم منهم وابن اخت القوم منهم [1]	کسی قوم کا آزاد کردہ غلام اور ان سے معاہدہ کرنے والا اور بہن کا بیٹا ان سب کا شمار اسی قوم سے ہوگا۔

صحابہ کرام میں حضرات عمرؓ، علیؓ اور ابن مسعودؓ اور تابعین میں حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں [2]

۷۔ مقرلہ بالنسب علی الغیر

عاقل، باشعور، بالغ اور آزاد شخص کسی مجہول النسب کے متعلق دعوی کرتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو گواہوں کے بغیر بھی اس اقرار کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ اس کا بیٹا سمجھا جائے گا اور مرنے کے بعد اس کا وارث ہوگا بشرطیکہ اس عمر کا اس کا بیٹا ہو سکتا ہو۔ نیز یہ بیٹا بھی اس کا اعتراف کرے۔ لیکن اگر کوئی باشعور شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں میرا بھائی یا پوتا ہے، لیکن اس کا باپ یا بیٹا اس کا اقرار نہیں کرتا ہے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور باپ کی وراثت میں دیگر بھائیوں کے ساتھ یہ شریک نہ ہوگا، کیونکہ یہ دوسرے شخص پر ایک دعویٰ ہے، اس لیے گواہ کے بغیر اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر یہ شخص آخر دم تک اپنے دعوے پر قائم رہا اور مذکورہ وارثوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو یہ شخص وارث ہوگا [3]

۸۔ جس کے لیے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو

وصیت کا حق بس تہائی مال تک محدود ہے، اس سے زیادہ کی وصیت وارثوں کی مرضی پر منحصر ہے، اگر وہ زائد مال کی وصیت کو بھی نافذ کرنا چاہیں تو بہتر ہے۔ ورنہ بقیہ وصیت ساقط ہے۔ البتہ مذکورہ وارثوں میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو تہائی سے

---

[1] رواہ الدارمی، مشکوٰۃ المصابیح مع التعلیق الصبیح ۳۹/۳

[2] رد المحتار ۵۰۱/۱۰ وغیرہ

[3] حوالۂ مذکور ۵۰۱/۱۰ و ۵۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زائد وصیت کو نافذ کیا جائے گا اور "بیت المال" کو حوالے کرنے کے بجائے اسے وصیت میں صرف کیا جائے گا۔

۹۔ بیت المال

اگر کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس کے خرچ اور تجہیز و تکفین وغیرہ کی ذمہ دار اسلامی حکومت ہوا کرتی ہے، اس لیے عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی طرح کے وارث کی غیر موجودگی میں اس کے ترکہ کو بیت المال کے حوالے کر دیا جائے کہ جو نقصان کا ذمہ دار ہے فائدہ بھی وہی اٹھائے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

من ترک مالا فلورثته، وانا وارث من لا وارث له، اعقل عنه وارثه[1]

جو شخص کوئی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو میں اس کا وارث ہوں گا اس کی طرف سے خونبہا ادا کروں گا اور اس کا ترکہ حاصل کروں گا۔

اسلامی نظامِ وراثت کا امتیاز

جو مذاہب اور فرقے فرد کی ملکیت کے قائل ہیں ان تمام کے یہاں وراثت کا تصور موجود ہے لیکن وہ اعتدال کی راہ سے ہٹا ہوا اور حکمت سے عاری اور عقل کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے، کسی مذہب و قانون میں مرنے والے کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ جتنا چاہے اور جس کے لیے چاہے وصیت کر سکتا ہے، یہاں تک کہ کتے اور بلی کے لیے بھی تمام زمین و جائداد اور مال و دولت کی وصیت درست ہے۔ خواہ اس کے وارث قلاّش اور دریوزہ گر ہو جائیں، چنانچہ امریکہ اور یورپ وغیرہ میں کتے اور بلی کے لیے وصیت کر جانے اور وارثوں کو محروم چھوڑ دینے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ بہت سے ملکوں میں وراثت کو ایک اختیاری معاملہ قرار دے کر

---

[1] رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ وصححہ الحاکم وابن حبان وحسنہ الترمذی وابوزرعۃ نیل الاوطار ۶/۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے مورث کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جسے چاہے وارث قرار دے اور جسے چاہے عاق کر دے کہ وہ زندگی بھر محرومی کی آگ میں جلتا رہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے ہی لوگوں سے انتقام کی تدبیر اور ان کے خلاف سازش کے تانے بانے میں لگا رہتا ہے، کہیں وراثت کا حق دار صرف بڑے لڑکے کو قرار دیا گیا ہے تو دوسری جگہ ان ہی افراد کو وارث بنایا گیا ہے جن میں جنگ لڑنے اور دفاع کرنے کی صلاحیت ہے۔ بہت سے قوانین میں اصول و فروع کی موجودگی میں میاں اور بیوی کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور ایسے ہی اولاد کے ہوتے ہوئے ماں، باپ کو محروم قرار دیا گیا ہے۔

قدیم مذاہب اور قوانین میں عورت کو وراثت سے محروم رکھ کر ظلم کیا گیا تھا تو جدید قوانین میں عورت اور مرد کو یکساں اور برابر کا حصہ دار قرار دے کر مرد پر ظلم کو روا رکھا گیا اور عورت کو فطرت سے بغاوت پر ابھارا گیا ہے۔

اسلام نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی نہایت ہی معتدل، عدل و انصاف پر مبنی اور عقل و فطرت سے ہم آہنگ راہ اپنائی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ وصیت کی حد بندی کی گئی، مرنے والے کو ایک تہائی حصے تک وصیت کی اجازت دی گئی اور بقیہ دو تہائی حصے کو وارث کا حق قرار دیا، حرام اور ناجائز کاموں میں وصیت کو نادرست ٹھہرایا، ایسے ہی جانوروں کتے اور بلی وغیرہ کے لیے وصیت کو غلط کہا گیا۔

۲۔ وراثت ایک اجباری معاملہ ہے، لہٰذا مورث اپنے وارثوں میں سے کسی کو عاق نہیں کر سکتا ہے۔ اگر وہ عاق کر دے تو بھی مرنے کے بعد وہ اس کا وارث ہوگا۔

۳۔ اولاد کے ہوتے ہوئے بھی باپ دادا کا حصہ رکھا گیا، جب کہ دیگر قوانین میں اولاد کی موجودگی میں باپ، دادا کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

۴۔ زن و شو کا حصہ متعین کیا گیا اور اصول و فروع کی موجودگی میں بھی انھیں حق دار قرار دیا گیا اس کے برخلاف قدیم و جدید تمام قوانین میں اصول و فروع کے ہوتے ہوئے شوہر اور بیوی کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔

۵۔ بھائی اور بہن بھی وراثت کے حق دار ہیں، ان حالات میں جب کہ عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ ان کو بھی حصہ ملے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ عورتوں کے لیے ایک حصہ متعین کر دیا گیا تاکہ کسی طور پر ان کی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے بلکہ قرآن وحدیث میں جن لوگوں کا حصہ متعین کیا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ چنانچہ "اصحابِ فرائض" کل بارہ ہیں۔ جن میں مرد چار بقیہ تمام عورتیں ہیں۔

دیگر مذاہب میں عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ بعض قوانین میں اگر عورت کے حصے کو تسلیم کیا گیا ہے تو اس کے حصے کو متعین نہیں کیا گیا ہے۔ عورت کے لیے صرف کچھ وصیت کر جانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ یورپ میں ۱۸۷۰ء تک شادی شدہ عورت کو نجی جائداد رکھنے کا حق حاصل نہ تھا۔ فرانس میں یہ حق ۱۹۳۸ء میں تسلیم کیا گیا۔ وراثت سے عورت کو محروم کرنے کے پس منظر میں یہ تصور کارفرما تھا کہ وہ دوسرے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا شوہر کی وفات کے بعد اس کی گاڑھے پسینہ کی کمائی کو وہ دوسرے خاندان میں منتقل کر دے گی۔ اسی تصوّر کی وجہ سے بعض ناخدا ترس زندگی کے آخری لمحہ میں بیوی کو طلاق دے دیا کرتے تھے اسلام نے اس تصوّر پر کاری ضرب لگائی اور طلاق کے باوجود عورت کو میراث کا حق دار قرار دیا[1]

۶۔ وراثت میں حصے کے تفاوت کی بنیاد احتیاج پر ہے۔ جسے مال کی زیادہ ضرورت ہے اس کا حصہ زیادہ رکھا گیا ہے چنانچہ میت کے باپ کے بالمقابل اس کے بیٹے کا حصہ زیادہ ہے۔ کیونکہ زندگی کے آخری مراحل میں اس کے ذمہ کوئی مطالبہ یا دوسروں کا حق نہیں ہوتا ہے اور پوتا ہی اس کی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ جب کہ پوتے کے سامنے ایک لمبی زندگی ہے اور اس کے کاندھوں پر گھر کے مختلف افراد کا بوجھ ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر عورتوں کا حصہ مردوں سے آدھا رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اسلامی معاشرے میں عورت پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے۔ جب تک وہ اپنے والدین کے زیرِ سایہ رہتی ہے اس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری باپ پر ہے اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد اس کے نان ونفقہ اور خرچہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہو جاتی ہے اور نکاح میں عورت پر شریعت کی طرف سے

۱؎ دیکھیے الہدایہ کتاب الطلاق، باب طلاق المریض۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی خرچ نہیں ہے بلکہ مہر کی صورت میں ایک معقول رقم اسے ملتی ہے۔ نکاح کے بعد شوہر کی وفات یا طلاق کی صورت میں اس کے خرچہ کی ذمہ داری باپ اور بھائی وغیرہ پر آپڑتی ہے۔ غرض یہ کہ زندگی کی راہ میں عورت کے ناتواں کندھے پر کوئی مالی بوجھ نہیں رکھا گیا ہے۔ لہٰذا میراث اور مہر کی صورت میں عورت کو جو رقم ملتی ہے وہ اس کے لیے ایک محفوظ سرمایہ ہے جسے شاید و باید ہی خرچ کرنے کی نوبت آتی ہو۔ اس کے برخلاف لڑکا جونہی بالغ ہوا، باپ اس کے خرچہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا، گرچہ اس کے یہاں مال و دولت کی فراوانی ہی کیوں نہ ہو، لڑکا اپنی زندگی کی گاڑی خود کھینچے بلکہ والدین اگر محتاج ہیں تو ان کا خرچ بھی اب اسی کے ذمہ ہے۔ نکاح کی مالی ذمہ داریاں اسی پر عائد کی گئی ہیں۔ مہر کی صورت میں ایک متعین رقم عورت کے حوالے کرے اور نکاح کے بعد اس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری سنبھالے، بیوی کی رہائش کے لیے مکان کا بندوبست کرے اور اولاد ہونے کی صورت میں ان کے تمام مصارف کا بار اس کے سر ہے، غرض یہ کہ اسے جو کچھ ملا وہ خرچ ہوگیا بلکہ مستقل ذمہ داری عائد ہوگئی کہ وہ اپنی بیوی بچوں اور خاندان کے محتاج افراد کی کفالت کرے۔

اس پس منظر میں شریعت نے وراثت میں اسے دوہرا حصہ دیا تو عورت پر کیا ظلم کیا گیا، بلکہ عورت کے لیے۔ جس پر اپنے خرچ کا بوجھ بھی نہیں ہے۔ اکہرا حصہ بھی باعثِ اعزاز و تکریم ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ لڑکی والدین کی الفت و محبت کے گھنیرے سایہ میں بڑھتی اور پروان چڑھتی ہے، اس کے نکاح تک اس کے تمام اخراجات کے ذمہ دار والد یا بھائی وغیرہ ہیں، نکاح کے بعد اس کی رہائش، خوراک، پوشاک اور دیگر ضروریات کا ذمہ دار شوہر ہوجاتا ہے، عورت مال دار اور صاحبِ ثروت ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے تمام اخراجات شوہر کے ذمے ہیں، اسے جو کچھ ملا محفوظ رہا، وہ باقی ہے لیکن خرچ سے سبکدوش ہے۔ اس پر کوئی ذمہ داری نہیں، یہاں تک کہ ذاتی اخراجات بھی دوسرے کے ذمہ ہیں۔ ان حالات میں اکہرا حصہ ملنا ہی قرینِ انصاف ہے۔

عورتوں کے اخراجات کا ذمہ دار مرد کو قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ فطری طور پر اس کے اندر معاشی تگ و دو کی صلاحیت، استعداد اور اہلیت رکھی گئی ہے۔ اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس استعداد کے سامنے ہر چیز ہیچ ہے۔ اس کے برخلاف عورت فطری طور پر گھر کی منتظمہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کی ساخت و پرداخت کا تقاضا ہے کہ وہ چراغِ خانہ رہے۔ معاشی دوڑ میں اسے شامل کرنا اس کی فطرت سے بغاوت ہے، جس کی وجہ سے خانگی ہم آہنگی برقرار نہ رہ سکے گی، بلکہ خاندانی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جنھوں نے اپنی عورتوں کو معاش کے لیے باہر نکالا انھیں بھی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ سابق روسی صدر گورباچیف نے اس سلسلہ میں اپنے دلی کرب کا احساس کچھ اس طرح سے کیا ہے:۔

"ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے ہیں اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا ہے، لیکن پیداوار زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا ہے اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہو جانے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اٹھانا پڑے ہیں وہ ان فوائد سے زیادہ ہیں جو پیداوار کے اضافہ کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوتے ہیں"[1]

مغرب کے عیار ذہن نے عورت کو گھر کی چہار دیواری کے اندر سکون سے رہنے نہ دیا، بلکہ "آزادیٔ نسواں" اور "مساواتِ مرد و زن" کا پر فریب نعرہ دے کر اپنے حصے کا کام عورت کے حوالے کر دیا کہ وہ کارخانوں، دفتروں اور ہوٹلوں میں دھکے کھاتی پھرے اور اپنی عزت کو خطرے میں ڈال کر خود ہی اپنی روٹی روزی کا انتظام کرے اور اس کے صلہ میں عورت کو کیا ملا؟ وراثت میں سے مرد کے برابر حصہ، جس کے ذریعہ شاید ہی وہ زندگی کے چند روز گزار سکے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کیا یہ بہتر ہے کہ وراثت میں سے مرد کے برابر حصہ دے کر پوری زندگی کے لیے اس کے دوشِ ناتواں پر اپنے اخراجات کی ذمہ داری ڈال دی جائے، یا یہ کہ وراثت میں سے تو اسے مرد کے بالمقابل اکہرا حصہ ملے، لیکن مرد کو اس کے تمام اخراجات کا ذمہ دار بنا دیا جائے، اسے مرد پر عورت کا حق قرار دیا جائے، اور قانونی طور پر اسے ادا کرنے کے لیے مرد مجبور ہو۔ ●●●

---

[1] اصلاحی خطبات از مولانا تقی عثمانی۔

© rasailojaraid.com